اہل تقویٰ کے اوصاف

ڈاکٹر محمد بلال خان

قرآن حکیم میں جن آیات میں تقویٰ کا ذکر آیا ہے‘ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام الٰہی تقویٰ کو کسی ایک محدود معنوں میں استعمال نہیں کرتا‘ بلکہ متعدد آیات میں اس کے مختلف پہلوؤں کی تشریح بھی کرتا ہے۔ اس سے اہل تقویٰ کے ذاتی‘ روحانی‘ اخلاقی‘ سماجی‘ ازدواجی‘ عسکری اور تحقیقی اوصاف سامنے آتے ہیں اور واضح ہوتا ہے کہ ایک متقی کی عملی زندگی کا نمونہ کیا ہونا چاہیے۔ ذیل میں قرآنی آیات کی روشنی میں ان اوصاف کی نشان دہی کی گئی ہے۔

اہل تقویٰ کے اوصاف انھیں عام لوگوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ قرآن انھیں اللہ کے رفیق‘ پیغمبروں کے ساتھی‘ اہلیت و صلاحیت کے مالک‘ عزت و مرتبے کے مالک‘ پاکیزہ اور دنیا میں عذاب خداوندی سے بچے رہنے والے قرار دیتا ہے (الجاثیہ ۴۵:۱۹‘ النبا ۷۸:۳۱‘ الحجرات ۴۹:۱۳‘ الزمر ۳۹:۷۸‘ مریم ۱۹:۹۷‘ السجدہ ۳۲:۱۸۰)۔ ان کے لیے زمین و آسمان سے برکتوں کا نزول ہوتا ہے اور یہ اخروی فلاح و کامرانی اور جنت کے حق دار قرار پاتے ہیں۔ انھیں حزن و ملال لاحق نہیں ہوتے۔ ان کے اعمال ایمان و حسنات میں مسلسل بلندی کا باعث بنتے ہیں۔ کعبۃ اللہ کی نگہبانی بھی ان کے سپرد کی گئی۔ حد یہ کہ ان کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں اور ان کا استقبال اس حال میں کیا جاتا ہے کہ: تم پر سلامتی ہو‘ جاؤ جنت میں ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔ (مریم ۱۹:۶۳‘ الاعراف ۷:۹۶‘ النحل ۱۶:۳۲‘ المائدہ ۵:۹۳‘ الانفال ۸:۳۴)۔

بنیادی خصوصیت

اہل تقویٰ صراط مستقیم پر چلنے کے خواہاں ہونے کے ساتھ ہدایت ربانی سے فیض یاب ہونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں (فاتحہ ۱:۵‘ البقرہ ۲:۱۰)۔ قرآن پاک کے آغاز ہی میں ارشاد ہے کہ یہ کتاب

متقین کے لیے ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ قرآن عام لوگوں کے لیے ایک بیان ہے جب کہ متقین کے لیے ہدایت کا سامان رکھتا ہے (آل عمران ۳:۱۳۸؛ الزمر ۳۹:۱۲۸؛ الطلاق ۶۵:۱۰؛ الحاقہ ۶۹:۴۸)۔ اس لیے قرآن سے استفادہ کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز تقویٰ ہے۔ عربی زبان جاننا بھی ضروری ہے، تاریخ انسانی اور کائنات کا علم جتنا وسیع ہوگا اسی قدر قرآن پاک سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ لیکن قرآن پاک کا اصل مقصد ہدایت وہی حاصل کرے گا جو صاحب تقویٰ ہوگا۔ جو شخص تقویٰ سے خالی ہے، اس کا علم خواہ کتنا وسیع ہو، وہ قرآن پاک سے پوری طرح فیض یاب نہیں ہو سکے گا۔ یوں سمجھیے کہ تقویٰ ہدایت ربانی کی شرطِ اول ہے۔ اس لحاظ سے یہ صفت بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔

روحانی اقدار

انسانی معاشرے میں انتشار اور انارکی کی بنیادی وجہ روحانی اقدار سے پہلوتہی ہے۔ بڑے بڑے بین الاقوامی تنازعات روحانی نظام سے رُوگردانی کے باعث جنم لیتے ہیں۔ صحیح روحانی نظام ترغیبات نفس کے منفی اثرات سے بچاؤ کا سامان مہیا کرتا ہے اور یہی کسی شائستہ تہذیب کی اصل بنیاد ہے۔

متقین ایمان بالغیب سے آراستہ ہوتے ہیں۔ قرآن میں یہ نکتہ وضاحت سے بیان ہوا ہے کہ انکار کرنے والا متقی نہیں ہو سکتا (المزمل ۷۳:۱۷)۔ روحانی اوصاف کے باب میں یہ آیت کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ محض اللہ پر ایمان لانے والا ہی خدا خوف ہو سکتا ہے۔ متقین نشانیوں کی طلب سے گریز کرنے والے، کلام الٰہی میں ذرہ برابر شک نہ کرنے والے، اللہ کی طرف رجوع کرنے، شرک سے بچنے، راتوں کو تلاوت و سجدہ کرنے والے، نیکوکار، رات کو کم سونے والے، وقت سحر استغفار کرنے والے ہوتے ہیں۔ شیطان کے وساوس سے خطرہ لاحق ہو تو اللہ کی یاد میں لگ جاتے ہیں اور راہ یاب ہو جاتے ہیں۔ اپنی ذات کو برائی کے سامنے سرنگوں نہیں کرتے۔ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، صبر سے کام لیتے ہیں، حسد سے بچتے ہیں۔ وہ نیاز محض اللہ کی خاطر دیتے ہیں اور اس طرح شرک کی کسی ادنیٰ سی صورت سے بھی احتراز کرتے ہیں۔ روزے کا اہتمام کرتے ہیں اور قیام صلوٰۃ اور ایتاے زکوٰۃ پر کاربند ہوتے ہیں (البقرہ ۲:۳، ۲۴، ۴۵، ۸۳؛ آل عمران ۳:۱۱۵، ۱۱۹؛ الاعراف ۷:۹۶، ۱۵۶، ۲۰۱؛ الذٰریٰت ۵۱: ۱۵؛ المائدہ ۵: ۲۷؛ النحل ۱۶:۲)۔ شعائر اسلامی کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں۔ ان کی توہین گناہ کبیرہ ہے۔ رب کے غضب سے ڈرنے کے ساتھ پیغمبروں کے معجزات پر یقین رکھتے ہیں۔ طاغوت کی بندگی سے اجتناب کرنے والے اور ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ رہنے والے ہوتے ہیں۔ جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں اور احسن، یعنی بہترین بات کا اتباع کرتے ہیں۔ عہد الست کا پاس کرتے ہیں جو عالم ارواح میں ہر بندے نے اپنے رب کے

ساتھ کیا۔ قرآن میں آتا ہے کہ مسجد حرام کی بنیاد تقوی پر ہے اور اس میں طاہر لوگوں کا ورود ہوتا ہے۔ لہٰذا طہارت بھی شعارِ تقویٰ ہے۔ (النحل ۱۶: ۲' الحج ۲۲: ۳۲' آل عمران ۳: ۵۰' الزمر ۳۹: ۱۶' التوبہ ۹: ۱۰۹' المائدہ ۵: ۱۱۰)

شمع توحید کے یہ پروانے اللہ کا قرب تلاش کرتے ہیں' رب کی مغفرت کی طرف سرعت سے دوڑتے ہیں' گذشتہ قوموں کے انجام سے عبرت پکڑتے ہیں اور اللہ اور رسولؐ کی فرماں برداری کرتے ہوئے اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ حلال و مرغوب چیزوں سے استفادہ کرتے ہیں' مگر دنیا کی زینت پر آخرت کے اعلیٰ مقام کو ترجیح دیتے ہیں۔ تزکیہ نفس کا اہتمام کرنے والے ہیں اور اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ روز آخر کے لیے اعمال کا کیا ذخیرہ کیا ہے (آل عمران ۳: ۴۵' ۱۳۱' البقرہ ۲: ۲۱۲' الاعراف ۷: ۲۵' یوسف ۱۲: ۱۰۹' النور ۲۴: ۵۲' الشمس ۹۱: ۸' الحشر ۵۹: ۱۸)۔ خالصتاً اللہ کی رضا اور پاکی حاصل کرنے کے لیے اللہ کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ محض رضاے الٰہی کے لیے ہوتا ہے کسی کا ان پر احسان نہیں کہ بدلہ چکایا جائے (محمد ۴۷: ۳۶' الیل ۹۲: ۵' ۱۷)۔ حج و عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرنے اور حالت احرام میں خشکی کے شکار سے اجتناب کرنے والے' دوران حج جنسی میلان و اختلاط اور لڑائی جھگڑے اور نزاع سے بچنے والے ہوتے ہیں۔ ایام تشریق میں منیٰ کے میدان میں اللہ کی یاد میں قیام کرنا بھی شعارِ تقویٰ ہے (البقرہ ۲: ۱۹۶' ۱۹۷' ۱۹۸' المائدہ ۵: ۹۶)۔ حج کے اخروی ایام میں طواف زیارت سے فراغت کے بعد عام طور سے عجلت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس موقع پر مکہ سے لوٹ کر منیٰ میں قیام تقویٰ کا بھرپور تقاضا ہے۔

ایمان و عمل صالح پر کاربند ان لوگوں پر اگر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے تو یہ نیکی و صبر سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ جان و مال کی آزمایش اور کفار کی طرف سے دکھ دینے والی باتوں پر صبر کرتے ہیں' اس کے مقابلے میں بردباری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اپنے اخلاقی معیار کو قائم رکھتے ہوئے احسن طریقے پر استدلال کے ساتھ اس پروپیگنڈے کی نفی کرتے ہیں اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں (ص ۳۸: ۲۸' آل عمران ۳: ۱۸۶)۔ یہ ایک غیر معمولی نکتہ ہے جس کا ہم صحیح معنوں میں ادراک نہیں کرتے حالانکہ یہ اللہ کا خصوصی فضل ہے کہ مسلمان دشمن کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہیں۔ ایسی حکمت عملی اختیار کرنا جس سے جنگ کو روکا جا سکے اور دشمن کے وار سے بچا جا سکے انتہائی مستحسن ہے۔ اگر امان میسر آ جائے تو قرآن ایسی صورت میں ہمیں پرہیزگاری اختیار کرنے کا درس دیتا ہے۔ اس فرصت کو لہو و لعب میں ضائع کرنے کے بجائے اسے غنیمت جان کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے اندر مزید قوت اور مضبوطی

پیدا کرنی چاہیے۔ متقین کی ایک اور اہم خوبی یہ ہے کہ وہ مرتے دم تک ایمان پر قائم رہتے ہیں۔ (ال عمران ۳:۱۰۲)

حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص عمر کے بیشتر حصے میں راست بازی کی زندگی گزارتا ہے مگر آخری حصے میں ایمان و ایقان اور صبر واستقامت سے دامن چھڑا کر ضلالت وعصیاں کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور وہ انجامِ بد سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ اہل تقویٰ کی خداخوفی انھیں تادم حیات معیار حق پر قائم ودائم رکھنے میں معاون ہوتی ہے۔

ذاتی و اخلاقی اوصاف

انسان کا اخلاق اس کے باطن کا مظہر اور اس کی روحانی اقدار کا پرتو ہوتا ہے۔ معاشرے میں انسان کی وقعت اور مقام ومرتبے کا اس کے اخلاق سے گہرا تعلق ہے۔ حضورؐ کے بارے میں قرآن میں آتا ہے کہ آپؐ مکارمِ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔ نبوت سے پہلے ہی آپؐ صادق وامین کے لقب سے مشہور تھے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ اگر آپ تندخو اور درشت رو ہوتے تو یہ لوگ آپؐ کے گردوپیش سے چھٹ جاتے اور آپؐ آفاق وانفس کی ساری دولت خرچ کر کے بھی انھیں اکٹھا نہ رکھ سکتے۔ یہ آپؐ کے اخلاق حمیدہ ہی کا کرشمہ ہے کہ ایک جھگڑالو قوم کو آپؐ نے باہم شیروشکر کر دیا۔ بنی اسرائیل کو تقویٰ کی ترغیب اور احکامِ خداوندی کا ذکر ان الفاظ میں ہوتا ہے: باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہانہ بناؤ' دنیوی فائدہ حاصل کرنے کے لیے ایمان تک کا سودا نہ کر ڈالو' کتمان حق سے بچو اور ایسا نہ ہو کہ دوسروں کو نیکی کا حکم دو اور خود اس سے اعراض برتو اور اس طرح دوسروں کو نصیحت اور خود کو فضیحت بننے کی عملی تصویر بن جاؤ۔ عہد وپیمان کا پاس کرو اور کلام الٰہی کو مضبوطی سے تھامو' مکافاتِ عمل سے ڈرو' جادوٹونے سے اجتناب کرو (البقرہ ۲: ۴۱-۴۵' ۶۳' ۶۶)۔ تقویٰ کا تقاضا ہے کہ انسان تنگ دستی اور دکھ درد میں صبر کرے' راہ راست پر رہتے ہوئے قول وقرار کو پورا کرے' تکبر وتعصب سے اجتناب کرے۔ بدلے میں زیادتی نہ کرے' حد سے تجاوز نہ کرے اور ظلم اور زیادتی کرنے کے لیے اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بنائے (البقرہ ۲: ۱۷۷' ۱۹۴' ۲۰۷' ۲۳۱)۔ قرآن میں ایک اور جگہ آتا ہے کہ اغیار کی دشمنی میں اللہ کا خوف رہے اور کسی قوم کی عداوت میں بھی عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ یہ آیت بڑے سے بڑے ظالم کے لیے اپنے اندر ہدایت کا سامان رکھتی ہے۔ (ال عمران ۳: ۷۶' ۱۱۵' المائدہ ۵: ۸۰)

اہل تقویٰ بدگمانی نہ کرنے والے' بھید نہ ٹٹولنے والے' غیبت سے احتراز کرنے والے' لہو ولعب سے کنارہ کشی کرنے والے اور اگر لغو چیز پر سے گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح دامن الجھائے بغیر

گزر جانے والے ہیں۔ وہ بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچنے والے ہوتے ہیں۔ وہ بدکاری سے دُور رہتے ہیں اور کسی کو رسوا نہیں کرتے۔ اہل تقویٰ قوتِ فیصلہ اور اصابت رائے رکھنے والے نرم دل اور والدین کے حق شناس ہوتے ہیں (الحجرات ۴۹:۱۲' النجم ۵۳:۳۲' الحدید ۵۷:۲۸' الانعام ۶:۳۲' الفرقان ۲۵:۲۴' الحجر ۱۵:۶۹' مریم ۱۹: ۱۳۶)۔ قول سدید' یعنی سیدھی سچی بات کرنا' نیک بات کی تصدیق کرنا اور سچے لوگوں کا ساتھ دینا ان کا شعار ہوتا ہے۔ دشمنوں کی پشتیبانی سے باز رہتے ہیں۔ مومنوں کی بھلائی سے خوش اور برائی سے ناخوش' خیر اندیش نہ کہ بدخواہ' دو بھائیوں میں صلح کرانے والے' دگرگوں حالت میں اللہ کی مدد حاصل کرنے کے بعد اس کا شکر ادا کرنے والے' آسانی وسختی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے' غصہ پی جانے والے' اور عفو و درگزر کرنے کے ساتھ احسان کی روش اختیار کرنے والے ہوتے ہیں۔ فحش کلام اور جانوں پر ظلم کرنے کے بعد اللہ سے رجوع اور استغفار کرتے ہیں اور برے کام پر اڑ نہیں جاتے (التوبہ ۹: ۱۱۹' الاحزاب ۳۳:۱۰' الیل ۹۲: ۵' التوبہ ۹: ۴' ال عمران ۳:۱۲۰' ۱۲۳' ۱۳۱' ۱۳۵' الحجرات ۴۹: ۱۰)۔ اہل تقویٰ کے اخلاقِ عالیہ کا اندازہ اس آیت سے لگایئے "یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ کے راستے میں زخم کھانے کے باوجود احسان کی روش اختیار کرتے ہیں (ال عمران ۳:۱۷۳)۔

ازدواجی زندگی

ازدواجی زندگی کے باب کا عنوان سورہ فرقان کی یہ دعا ہے: "اے ہمارے رب' ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا" (الفرقان ۲۵: ۷۴)۔ اگر اہل وعیال آنکھوں کی ٹھنڈک نہ بنیں تو رشتہ ازدواج اور خاندان لایعنی ہو کر رہ جائیں گے۔ آیت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا کا مستجاب ہونا بھی تقویٰ پر منحصر ہے۔ ہمارے معاشرے میں خواتین کے ساتھ عام طور سے جو ظلم روا رکھا جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ ازدواجی احکام سے روگردانی ہے۔ رسول کریمؐ نے اپنے آخری خطاب میں بھی فرمایا: خواتین تمھارے پاس ایک خوب صورت اور نازک امانت ہیں۔ ازدواجی زندگی کے سلسلے میں دیگر ترغیبات جنھیں محاسن تقویٰ کے طور پر بیان کیا گیا درج ذیل ہیں:

زوجین سے حتی الوسع عدل و احسان کی روش اختیار کرنا' عورتوں کے مہر خوش دلی سے ادا کرنا' صلح و آشتی سے رہنا' دل تنگ نہ کرنا' اور آپس میں حسن سلوک کا مظاہرہ کرنا' بیویوں کو اچھی طرح بسانا' ناچاقی کی صورت میں تکلیف پہنچانے کی غرض سے نہ روکے رکھنا (البقرہ ۲:۲۳۱' النساء ۴: ۱۲۸' ۱۲۹)۔ صحبت زوج میں اخلاقی قواعد وضوابط کی حدبندی قائم رکھنا' حرام اور بے حیائی سے بچنا' نیک اعمال آگے بھیجنا' خصوصاً اولاد کی نیک تربیت کرنا' مباشرت برائے اولاد' روزے کی حدود کا خیال اور دوران اعتکاف جنسی میلان و اختلاط

سے پرہیز کرنا (البقرہ ۲:۱۸۷، ۲۲۳)۔ عورتوں کے طلاق کے معاملات میں حکم خداوندی کی پیروی کرنا۔ اگر صلح جوئی کی کاوشوں کے باوجود زوجین کے مابین اللہ کی حدود کے مطابق زندگی گزارنے پر رجوع نہ ہو سکے تو مطلقہ عورتوں سے نہ صرف خیراندیشی کا رویہ رکھا جائے بلکہ انھیں فائدہ دینے کی روش اختیار کرنی چاہیے، مثلاً جدائی ہونے کے باوجود رضاعت کی مدت میں نان نفقے کا اہتمام کرنا۔

آپس کے جھگڑے کو اولاد کی وجہ سے انگیخت نہ کرے، یعنی کسی بھی فریق کو اولاد کو اپنے مفاد اور فریق ثانی کو ضرر پہنچانے کی غرض سے استعمال نہ کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں عورت کو ہاتھ لگانے سے پہلے جدائی ہونے کی صورت میں نصف مہر کی قانونی چھوٹ کے باوجود فیاضی کا برتاؤ کرنا اور پورا مہر ادا کرنا (البقرہ ۲:۲۳۳، ۲۳۷، ۲۴۱، الطلاق ۶۵:۶)۔ زوجین کو آپس میں کشادہ دلی اور فیاضی طبع کا درس دیا جا رہا ہے، اس لیے کہ دل تنگی کی طرف جلدی سے مائل ہو جاتے ہیں۔ عموماً چھوٹے چھوٹے معاملات پر ناچاقی دلوں کی تنگی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اہل تقویٰ اپنے آپ کو نفس کی تنگی سے بچا کر رکھتے ہیں۔

سماجی و سیاسی اقدار

موجودہ دور کا انسان ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہے جہاں ایک طرف مادی ترقی اپنے عروج کو پہنچ رہی ہے، فاصلے سمٹ رہے ہیں اور ذرائع مواصلات و ابلاغ نے حقیقتاً دنیا کو ایک عالمی قریہ بنا دیا ہے، تو دوسری جانب انسانی تہذیب سماجی رذائل کے اُمڈتے ہوئے سیلاب کے آگے دم توڑتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ مل جل کر رہنے کے کسی آفاقی عادلانہ نظام کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس عالمی قریے میں فساد برپا ہے۔

عدل، اسلامی سماجی اقدار کا روح رواں ہے اور یہ تقویٰ سے عبارت ہے۔ قرآنی آیت ''عدل کرو، یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے'' اسی حقیقت کی ترجمانی ہے۔ سورہ حدید میں نظام عدل وقسط کے قیام کو انبیا و رسل کی وجہ بعثت قرار دیا گیا مگر اس کا حصول چند بنیادی خوبیوں کا تقاضا کرتا ہے جسے قرآن متقین کے ساتھ جوڑتا ہے، مثلاً تعصب سے اجتناب اور ذاتی مفاد سے گریز، نہ صرف سچی گواہی دینا بلکہ جھوٹی گواہی کا توڑ بھی سچی گواہی سے کرنا۔ یہاں معاشرے کی ابتری کا یہ حال ہے کہ سچی گواہی کے لیے آنے والوں کو عدالت کے احاطے میں گولیوں سے بھون دیا جاتا ہے۔

سورہ حجرات میں آتا ہے کہ اللہ اور رسولؐ سے آگے نہ بڑھنا شعار تقویٰ ہے۔ اسی روش کو سوسائٹی کا شعار ہونا چاہیے۔ معاشرہ اپنے کسی معاملے میں اللہ اور رسولؐ کے دیے ہوئے احکام و فرامین اور حدود سے تجاوز نہ کرے تو صحیح معنوں میں عدل کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔ عدل کرنا چاہیے خواہ معاملہ قرابت

دار کا ہی کیوں نہ ہو۔قرآن کی رو سے جس چیز سے رسولؐ روکیں رک جایئے اور جو رسولؐ عطا کریں قبول کر لیجیے۔(الحجرات ۴۹:۱، الحشر ۵۹:۷)

سماجی اعتبار سے قرآن نے اہل تقویٰ کے یہ نمایاں اوصاف بیان کیے ہیں: لوگوں سے خوف نہ کھانا بلکہ اللہ سے ڈرنا، اللہ کا زیادہ حق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑنا اور باہم اختلاف نہ کرنا، حقوق العباد میں بدرجہ اولیٰ قطع رحمی سے بچنا، یتیموں کے مال لوٹانا اور ان میں گھپلے سے باز رہنا، بھلائی کی طرف بلانا اور برائی سے روکنا (الاحزاب ۳۳: ۳۷، اٰل عمران ۳: ۱۰۲، ۱۰۵، النساء ۴: ۱، ۳-۶)۔ایک اور جگہ پر آتا ہے کہ ''تم ایسے وبال سے ڈرو کہ جو خاص انھی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں'' (الانفال ۸: ۲۵)۔ یہ آیت تقویٰ کا تعلق براہ راست نہی عن المنکر سے قائم کرتی ہے، یعنی یہ وبال اُنھیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا جو محض انفرادی نیکی پر قانع ہو کر گوشۂ عافیت میں جاگزیں ہو گئے ہیں اور اجتماعی برائیوں سے روکنے سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔ متقین صحیح ترازو سے تولنے والے اور زمین میں شر و فساد نہ پھیلانے والے ہیں اور قتل ناحق سے بچتے ہیں۔ اہل ایمان کے لیے قصاص میں زندگی ہے اور اس پر عمل کرنا تقویٰ ہے۔ والدین و رشتہ داروں کے لیے بھلائی کی وصیت کرنا اور وصیت کے معاملے میں تعصب سے اجتناب اور ذاتی مفاد سے گریز کرنا چاہیے۔ قرآن حمیت جاہلیہ کے مقابلے میں تقویٰ کا تصور پیش کرتا ہے۔ حمیت جاہلیہ کا مظاہرہ عزت کے قتل کی صورت میں اکثر ہمارے معاشرے میں سامنے آتا ہے۔ تقویٰ اس برائی کا تریاق ہے (الحدید ۵۷: ۲۸، البقرہ ۲: ۱۷۹، ۱۸۰، الفتح ۴۸: ۲۶، الشعراء ۲۶: ۱۸۴)۔ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب بھی تقویٰ ہے، جب کہ ہمارے ٹی وی چینل پر ہندو عریاں کلچر اور دیگر اخلاق باختہ پروگرام پیش کر کے دولت سمیٹنے والے ارباب بست و کشاد نوجوان نسل کے اخلاق کو برباد کرنے میں مصروف ہیں۔

اپنے پیش رو اہل کتاب میں سے جنھوں نے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنا لیا ہے ان سے دوستی نہ کرنا اور نہ دوسرے کافروں سے ہی دوستی کرنا، اللہ کی اطاعت کرنا اور ان بے لگام لوگوں کی اطاعت سے گریز کرنا جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، اصلاح نہیں کرتے، متقین کا شیوہ ہے۔ ان کا یہ فعل طاغوت سے بغاوت اور اللہ کی بندگی سے عبارت ہے۔ متقین کی ایک اور اہم سماجی قدر یہ ہے کہ وہ خبث کی کثرت کے باوجود خبیث اور طیب میں تمیز کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ وصف مادر پدر آزاد جمہوریت کی نفی کرتے ہوئے جمہوریت کے عمل کو اخلاقی قواعد و ضوابط کا پابند کرتا ہے (المائدہ ۵: ۵۷، ۶۵، الشعرا ۲۶: ۱۵۱-۱۵۲، المائدہ ۵: ۱۶۰)۔ نیکی اور بندگان خدا کی بھلائی میں رکاوٹ سے بچتے ہیں (البقرہ ۲: ۲۲۴)۔ اس خوبی کے

حامل بھی وہی افراد ہو سکتے ہیں جو اجتماعی مفاد کو ذاتی مفاد پر عملاً ترجیح دیتے ہوں۔

حربی و جہادی اوصاف

جہاد کا مقصد فتنہ و فساد کا قلع قمع اور دین اسلام کی سربلندی ہے۔ بہ الفاظ دیگر انصاف کا قیام اور تمام انسانوں کے لیے آزادی، عزت اور عدل کا حصول ہے۔ آج اغیار جہاد کو دہشت گردی سے موسوم کر کے اس اعلیٰ مقصد کی تحقیر کرنے میں کوشاں ہیں حالانکہ وہ خود انتہائی مہلک ہتھیاروں سے مسلح دنیا کے ہر کونے میں اُمت مسلمہ کے خلاف اپنی پوری عسکری قوت کے ساتھ برسرِ پیکار نظر آتے ہیں۔

فرمان خداوندی ہے، اللہ کا قرب تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تو فلاح و کامرانی پاؤ گے (المائدہ ۵: ۳۵)۔ اہل تقویٰ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ کافروں کو دیکھ کر ان کے دل اور بڑھ جاتے ہیں اور اللہ ان کے لیے کافی ہوتا ہے (البقرہ ۲: ۱۷۷، آل عمران ۳: ۱۷۱-۱۷۳)۔ مشرکوں سے متحد ہو کر جنگ کرتے ہیں۔ انکارِ حق کے مجرم ان میں سختی پاتے ہیں۔ ایسے عناصر کا پوری طرح قلع قمع کرتے ہیں جو آس پاس ہوں (التوبہ ۹: ۱۲۳)۔ اہل تقویٰ کے لیے جہاد کے باب میں قاطع آیت تو سورۃ النساء (۴: ۷۷) میں آئی ہوئی ہے۔ اس کی رُو سے دورِ مکہ میں ہاتھ باندھ کر تربیت حاصل کرنے والے، نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرنے والے، لومۃ لائم اور مصائب کو برداشت کرنے والے، تقویٰ کے انتہائی معیار سے دُور پائے گئے۔ مکی دور کی یہ آزمایشیں اور صعوبتیں تو کفر کے مقابلے میں جہاد و قتال کی تیاری تھی۔ جب جنگ کا مرحلہ آتا ہے تو جن کے دل میں نفاق کی بیماری ہے وہ لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگتے ہیں جیسے اللہ سے ڈرنے کا حق ہے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ، اور زندگی کی مہلت مانگنے لگتے ہیں۔ اس مقام پر واضح کیا گیا کہ دنیا کا نفع تو کم ہے اور متقیوں کے لیے آخرت ہی بہتر ہے۔ متقین جہاد میں دلیری اور بسالت کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔ (النساء ۴: ۷۷)

سائنسی و تحقیقی اوصاف

فرمان خداوندی ہے: ''رات دن کے اُلٹ پھیر اور زمین و آسمان کی تخلیق میں پرہیزگاروں کے لیے نشانیاں ہیں''۔ علامہ اقبالؒ اپنے مشہور خطبات میں لکھتے ہیں کہ کائنات میں غور و فکر کرنے والا سائنس دان بھی ایک طرح سے عبادت کرنے والے صوفی کی مانند ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ تمھارے لیے مسخر کر دیا گیا ہے۔ اس لیے کائنات کی قوتوں کو مسخر کرنا انسانی فریضہ ہے اور کائنات کو جانے بغیر اس کی قوتوں کو مسخر نہیں کیا جا سکتا۔ کائنات اللہ تعالیٰ کی بہت زبردست اور شان دار تخلیق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تخلیق کائنات کے مراحل بیان فرمائے ہیں، اس کی خوبیاں بیان

فرمائی ہیں اور اس میں کام کرنے والے عناصر کی ترتیب کو واضح کیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جو چیز اتنی منظم اور مربوط ہو' وہ بے مقصد نہیں ہوسکتی بلکہ اس کے پیچھے ایک عظیم حکمت وقدرت اور ربوبیت کارفرما ہے۔ یہ محض کھیل تماشا نہیں!

رب کی ربوبیت تو عیاں ہے۔ آثار کائنات پر غور کر کے متقین اس میں سے حکمت و دانش کے موتی نکالتے ہیں اور اللہ کے قوانین جو پوری کائنات میں نافذ ہیں انھیں معلوم کر کے انسانی فلاح کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ تمام قوانین فطرت کائنات میں پہلے سے موجود ہیں۔ انسان اپنے مشاہدے سے انھیں دریافت کرتا ہے' ان کا عمیق تجزیہ کرتا ہے اور انھیں بروے کار لاتا ہے۔ نیوٹن نے سیب کو زمین کی طرف گرتے ہوئے دیکھا تو کشش ثقل کا قانون دریافت کیا۔ یہ اس کی ذاتی اختراع یا ایجاد نہیں۔ کشش ثقل تو پہلے سے کائنات میں کارفرما تھی' تاہم اس کا مشاہدہ کرنے والا اور اس کا قانون وضع کرنے والا وہ پہلا شخص تھا۔ بعد میں آنے والے سائنس دانوں نے اس قانون کو مرکز گریز (centrifuge) کے آلے کی شکل میں استعمال کیا اور اس سے حاصل ہونے والی مرکز گریز قوت میں کئی گنا اضافہ کر کے زمانے کی بڑھتی ہوئی پیداواری طلب کا ہدف پورا کیا۔ یہی آلہ یورینیم دھات کی افزودگی میں کلیدی حیثیت کا حامل ہے جس سے بالآخر ایٹم بم کا مواد حاصل کیا جاتا ہے۔

آسمان وزمین سے رزق کون دیتا ہے' موت وحیات پر کون قادر ہے' فیصلے کا اختیار کس کو ہے' متقین کبھی ان حقائق سے صرف نظر نہیں کرتے۔ اگر انھیں کوئی فائدہ حاصل ہو تو رب کا شکر بجالاتے ہیں' اتراتے نہیں' اور نہ انھیں ذاتی یا گروہی مفاد کی خاطر ہی استعمال کرتے ہیں۔ اس کے برعکس غیر مسلم سائنس دان قوانین فطرت کو محض ذاتی فائدے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ ان کے مشاہدات ان کو معرفت رب سے آشنا کرتے رہتے ہیں' جب کہ متقین آثار کائنات سے اللہ کی پہچان کرنے والے ہیں۔ (المؤمنون ۲۳:۸۷)

آج اس امر کا ادراک پہلے سے کہیں زیادہ ہے کہ مسلمانوں کو سائنسی علوم میں کاوش کرنی چاہیے۔ وقت کی ٹکنالوجی کو حاصل کرنا چاہیے اور ایجاد و اختراع اور تحقیق وتفتیش کے ذریعے علم اور سائنس پر دست رس اور قدرت حاصل کرنا چاہیے۔ یہ مسلمانوں کی ہی متاع گم گشتہ ہے۔ ان ہی کا میدانِ کار ہے۔ قرآن کی رُو سے تسخیر کائنات بدرجہ اولیٰ نیک لوگوں کا حق ہے ؎

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

کائنات کے خزانوں اور رازوں کو غیروں کے لیے چھوڑ دینا کھلی حماقت ہے۔ مسلمانوں کو علم' قوت اور

وسائل کو غلط ہاتھوں میں مرتکز ہونے سے بچانا چاہیے۔

معاشی و اقتصادی اوصاف

یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ تعلیم' صنعت و حرفت' دفاع اور رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے کسی بھی ملک کی معاشی قوت مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ قرآن مسلمانوں کو عسکری قوت بہم پہنچانے کی مد میں خرچ کرنے کی پُرزور ترغیب دیتا ہے (الانفال ۸: ۶۰)۔ ظاہر ہے کہ ایک مضبوط معاشی اساس کے بغیر یہ محال ہے۔ معاشی و اقتصادی میدان میں لین دین اور دیگر معاشی عناصر کی بابت اہل تقویٰ کے حوالے سے قرآن میں مندرجہ ذیل خصوصیات کا ذکر ملتا ہے۔

اہل تقویٰ اپنے مال سامانِ زیست کے لیے دانش مندی سے استعمال کرتے ہیں۔ وراثت کی تقسیم میں مساکین و یتامیٰ کا خیال رکھتے ہیں۔ قرض کے معاملے کو لکھنا اور اس سلسلے میں کاتب اور گواہ کو نقصان سے بچانا بھی شعار تقویٰ ہے۔ نہ صرف سود کھانے سے باز رہتے ہیں اور سود کی رقم سے دست بردار ہو جاتے ہیں بلکہ قرض دار کو مہلت دینا اور اس سے بھی افضل یہ کہ عاقبت کی فکر کرتے ہوئے قرض کی رقم صدقہ کر دینا متقین کا شیوہ ہے (النساء ۴: ۹' البقرہ ۲: ۲۷۸' ال عمران ۳: ۱۳۰)۔ یہاں سود سے گریز کو تقویٰ سے مشروط کر دیا گیا ہے۔ متقین دولت کو تقسیم کرنے والے ہیں تاکہ مال دولت مندوں کے ہاتھوں میں جمع ہو کر نہ رہ جائے اور چند ہاتھوں میں گردش نہ کرتا رہے (الحشر ۵۹: ۷)۔ تقویٰ یہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ رہن شدہ اراضی مالک کو واپس کی جائے اور اس سلسلے میں گواہی کو چھپانے سے گریز کیا جائے۔ (البقرہ ۲: ۲۸۳)

حاصل بحث

تقویٰ ایسی روش کا نام ہے جو اسلام کے پورے اخلاقی' سماجی اور معاشی نظام پر محیط ہے۔ قرآن برائی سے بچنے کی محض تلقین ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس سے بچاؤ کے لیے عملی تدابیر بھی تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ تقویٰ کردار سازی اور اصلاح نفس کا اہم ذریعہ ہے۔ اس کی ادنیٰ سی صورت بھی ذاتی حرص اور ترغیبات نفسانی کے منفی اثرات سے بچاؤ کا سامان مہیا کرتی ہے' تاہم قرآن کی رُو سے ذاتی تقویٰ اور زہد و ورع کو علمی' سماجی اور معاشی میدانوں سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ چیز اہل تقویٰ کو مادہ پرستوں پر فضیلت عطا کرتی ہے۔ پرہیز گاری' پاکیزگی' انفاق فی سبیل اللہ' اخلاق حسنہ کے علاوہ کائنات میں غور اور سود سے بچاؤ تقویٰ حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ آج دین و دنیا کے درمیان ایسا آہنگ درکار ہے جو دنیا کو دین کی رہنمائی میں زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھائے۔ مادی اور روحانی تقاضوں میں ایسا توازن ہو کہ انسان استحصالی گورکھ دھندے کا شکار ہوئے بغیر عدل و قسط کے نظام کی فیوض و برکات سے بہرہ مند ہو سکے۔